جونؔ ایلیا کی غزل میں تشکیک کے عناصر

اعجاز احمد
پی ایچ ڈی سکالر شعبہ ٔاردو پشاور یونیورسٹی
ڈاکٹر سہیل احمد
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ ٔاردو پشاور یونیورسٹی

Abstract

Jaun Elia is a prominent name of modern Urdu literature. . The uniqueness of his accent distinguishes him from his contemporary poets. His style takes you to an enchanting world of pleasure and joy. Jaun Elia shows a notable diversity of thoughts in his poetry. As a matter of fact, his poetry encompasses a variety of shades. Romance is the salient feature of his poetry. But he looks entirely different when pessimism clouds his poetry. One can feel an echo of self-pity in many of his verses when Jaun narrates his woes of life. But being a sensitive and sensible artist, he doesn't forget his liability towards society and his surroundings. This is why some of his literary work depicts social ethos of the age.

Skepticism is also one of the basic thoughts of his 'Ghazals' and 'Nazms'.In his poetry, sometimes his skepticism becomes so aggressive and expressive that it can easily be confused with atheism. This article is an effort to trace different angels of skepticism in his poetry.

اردو شاعری میں تشکیک کا پہلو اپنی جگہ ایک مسلسل فکری نظریئے کی حیثیت رکھتا ہے۔اگرچہ جدیدیت کے زیرِ اثر تشکیک کا رویّہ اردو غزل اور نظم میں زیادہ شدّت کے ساتھ دکھائی دیتا ہے تاہم تشکیک کے خدوخال جدیدیت کے دور سے کہیں پہلے نمایاں ہونا شروع ہو گئے تھے۔حقانی القاسمی اردو غزل میں اس رجحان کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

”غزل کا جس معاشرے سے سابقہ پڑا، وہ علمی اور ادراکی پسماندگی کا
شکار تھا۔ ایک خلاقیت مخالف معاشرہ جہاں مذہب سے بڑی کوئی

> میزان نہیں تھی، قوت متخیّلہ، وجدانیہ کو معطل کرنے والا یہ ایسا معاشرہ تھاجہاں مذہبی پیراڈائم سے انحراف کفروالحاد کی حدوں میں پہنچادیتاہے، شرعی سخت گیری کے ایسے ماحول میں متعینہ راہ وروش سے انحراف داورسن کو دعوت دینے کے مترادف ہے، مگر اس معاشرتی اور مذہبی جبر کے باوجود بڑے خلاق ذہنوں نے فکری عبودیت اور بندگی کی بندشوں کو توڑ کر حیات و کائنات کو دیکھنے اور پرکھنے کے اپنے پیمانے وضع کیے۔ شاعروں کی محدود اقلیت نے معاشرے کی روش عام سے اجتناب کیااور فکر و نظر کی نئی بستیاں آباد کیں۔ پرانے مسلمات کو شک کی نگاہ سے دیکھا اور اس طرح تشکیک پسندی کی ایک لہر نے جنم لیا۔"(۱)

تشکیک کے رجحانات کے مثبت یا منفی ہونے کے حوالے سے بھی دو آراء پائی جاتی ہیں۔کچھ اہلِ علم کا یہ خیال ہے کہ تشکیک کا رویّہ کسی بھی پہلو سے قابلِ قبول یا مستحسن نہیں گردانا جاسکتا۔ کیونکہ اُن کے خیال میں ایمان کا تقاضاہی یہ ہے کہ عقائد اور اللہ تعالی کی ذات کے حوالے سے ایک بندے کو اُن تمام اُصولوں کو من و عن قبول کر لینا چاہیئے جو اُس کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔ جبکہ دوسری طرف اہلِ علم کا یہ بھی خیال ہے کہ تشکیک اپنی ذات میں ایک مثبت رجحان ہے۔ اُن کے خیال میں تشکیک کا رویّہ صحّت مندانہ سوال اُٹھانے کا حوصلہ فراہم کرتا ہے اور تشکیک کے بعد جب کوئی انسان تلاش و جستجو کے سفر پر نکلتا ہے تو ان سوالات کے جوابات اُسے مزید پختگی اور بلوغتِ ذہنی عطا کرتے ہیں۔

تشکیک کے اس مثبت پہلو کے حوالے سے ڈاکٹر وحید اختر رقمطراز ہیں:

"تشکیک دراصل ادعائیت کے خلاف بغاوت ہے اور اس لحاظ سے صحت مند ہے کہ ایمان بالغیب اور مذہبی، سیاسی یا ادبی ملائیت کو رد کر کے حقیقت کے عرفان کی جستجو اپنے ذہن سے کرتی ہے۔"(۲)

جونؔ کی آواز ۶۰ء کی دہائی میں مستحکم ہو کر ادبی حلقوں سے باہر بھی سنائی دینے لگی تھی اور یہی وہ دور تھا جب اردو ادب میں جدیدیت اور اُس کے زیرِ اثر تشکیل پانے والے جدید رویّے بھی ادب کا حصّہ بن رہے تھے۔ لہٰذا یہ بات ماننے میں کوئی تامّل نہیں لگتا کہ جونؔ کے ہاں تشکیک کا رجحان جدیدیت کے زیرِ اثر پروان چڑھا۔ لیکن یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ جونؔ کے ہاں یہ رویّہ بھی ایسا دوٹوک یا سپاٹ نہیں جس کے بارے میں ایک جملے میں یہ رائے قائم کی جاسکے کہ جونؔ کے ہاں کونسا رویّہ پایا جاتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اُن کے اشعار میں کہیں کہیں مکمل الحاد کا رویّہ پایا جاتا ہے اور بعض اشعار میں تشکیک کا رویّہ نمایاں ہے۔ اہلِ نظر اس حقیقت سے بہ خوبی واقف ہیں کہ 'تشکیک' اور یکسر الحاد میں بہر حال ایک نمایاں فرق موجود ہے۔ سلیم احمد اس فرق کو کچھ یوں واضح کرتے ہیں:

"بعض لوگ جو تشکیک کا نام سن کر ہی بھڑک اُٹھتے ہیں، اُسے کفر و الحاد کی شاعری سمجھتے ہیں۔ لیکن تشکیک اور کفر و الحاد میں ایک فرق ہے۔ کفر و الحاد ایک متعیّن منزل کا نام ہے، جبکہ تشکیک ایک راہِ سفر ہے۔ تشکیک کے ذریعے آپ کفر و الحاد دونوں تک پہنچ سکتے ہیں اور ایمان تو وہی ہے جو بڑے سے بڑے شک کو اپنے اندر جذب کر لے"(۳)

سلیم احمد کی اس بات سے اس لیے اتفاق کیا جا سکتا ہے کہ کفر و الحاد کی منزل وہ نہیں جہاں سوال اُٹھتے ہوں بلکہ جس طرح ایمان ایک مکمّل اور متعیّن منزل کا نام ہے اسی طرح کفر یا الحاد بھی ایک مکمّل اور متعیّن منزل ہی کا نام ہے۔ جبکہ ان دونوں کے مقابلے میں تشکیک اُس عبوری دور یا عبوری رستے کا نام ہے

جس پر چلنے والا ابھی نہ کفر کی منزل تک پہنچ سکا ہے اور نہ ہی ایمان کی منزل تک۔ اور اس تشکیک یا لا ادریت کی بنیادی وجہ وہ سوالات ہیں جو تشکیک کے رستے پر چلنے والے مسافر کو ہمیشہ گھیرے رہتے ہیں۔

خدا کی ذات کے حوالے سے اگر جونؔ کی شاعری پر نظر ڈالی جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس سلسلے میں اُن کا رویّہ دھوپ چھاؤں کا سا رہا ہے۔ انسانی دماغ کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ وہ کہیں ایک جگہ ٹک کر سا کن نہیں رہ پاتا بلکہ متحرک رہتا ہے۔ جونؔ جیسا شاعر جو فلسفے کو گھول کر پی گیا تھا، اُس کے ذہن میں ''شکوک'' کا پیدا ہونا ایک لازمی امر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات نجی محفلوں میں جونؔ اتنا کچھ کہہ جاتے تھے کہ اسے شاید دس منٹ کے لیے بھی برداشت نہ کیا جا سکے۔ لیکن اسی جونؔ کو دوستوں کی محفل میں اس حقیقت پر فخر بھی کرتے دیکھا گیا کہ اُن کا تعلق خانوادۂ سادات سے ہے۔ ''تشکیک'' کا یہی زاویہ ہے جو اُن کی شاعری میں بھی واضح طور پر دکھائی دیتا ہے۔ جونؔ کے ہمدمِ دیرینہ اور اُن کی بیشتر کتابوں کے مؤلف خالد احمد انصاری کی اس بات سے یقیناً اتفاق کیا جا سکتا ہے کہ جونؔ کے ہاں کفر و الحاد کی بجائے تشکیک کا رویّہ زیادہ توانا دکھائی دیتا ہے اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ دوستوں کی نجّی محفلوں میں بھی وہ خدا کے وجود کے حوالے سے سوالات اُٹھانے کے ساتھ ساتھ اہلِ بیت سے خاندانی تعلّق کا ذکر ایک مخصوص دلبستگی اور افتخار سے کرتے تھے [۴]۔

جونؔ کے ہاں بیشتر اشعار ایسے پائے جاتے ہیں جہاں وہ خُدا کی ذات سے انکار کی بجائے اُس سے شکوہ اور گلہ کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ ایک ہی سانس میں جس خدا کا انکار کرتے ہیں دوسری سانس میں اُسی ''ناموجود'' خدا کے حوالے سے کوئی ایسی بات بھی کر جاتے ہیں جس سے صاف طور پہ یہ واضح ہوتا ہے کہ جونؔ کے انکاری لہجے میں بھی کہیں اقرار ہی چھپا ہوا ہے۔ مثلاً ایک شعر میں وہ کہتے ہیں:

اے خدا (جو کہیں نہیں موجود)
کیا لکھا ہے ہماری قسمت میں (۵)

اگر شعر کی لفظیات کے پہلے تاثّر پر بات کی جائے تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ جونؔ شعر میں خُدا کے وجود کے انکاری ہیں۔ کیونکہ شعر کا پہلا مصرع اُس کی ناموجودی کا واضح اقرار ہے۔ لیکن اگر شعر کے دوسرے

مصرع پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ وہ اُسی خُدا سے اپنی قسمت کا حال بھی پوچھ رہے ہیں جس خُدا کا انھوں نے انکار کیا ہے۔ اسی طرح اُن کے اور ابھی ایسے اشعار ہیں جن میں وہ خُدا سے ہمیں گلہ کُناں نظر آتے ہیں۔

جونؔ کی تشکیک پہ جہاں جہاں الحاد یا یکسر انکار کا گمان ہوتا ہے تو اس کی بنیادی وجہ اُن کے لہجے کی وہ شدّت ہے جو اُن کے اس نوع کے اشعار میں زیادہ واضح طور پر محسوس کی جاسکتی ہے۔ اُن کے تشکیکی لہجے میں ایک قسم کا غصّہ اور چڑچڑاپن محسوس کیا جاسکتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ ''خدا'' کا انکار محض اس لیے کر رہے ہیں کیونکہ ''خدا'' اُن کی خواہشات اور اُمنگوں کے مطابق ''عمل نہیں کرپایا''۔ اپنی اس حالت کا ذکر کرتے ہوئے جونؔ ایلیا ایک انٹرویو میں خود بھی اس بات کا اقرار کیا ہے کہ وہ ابتدا میں Skepticism یعنی تشکیک کی طرف مائل ہوگئے تھے اور اس تشکیک نے آخر کار الحاد کا روپ دھار لیا[۶]۔ جونؔ کا یہ کہنا کہ وہ آہستہ آہستہ Skepticism یعنی تشکیک کی طرف مائل ہوگئے ایک حقیقت ہے، تاہم اُن کا یہ کہنا کہ اس تشکیک نے الحاد کا روپ دھار لیا، شاید اس سے مکمل طور پر اتفاق نہ کیا جاسکے۔ کیونکہ اُن کے اشعار اور اُن کی گفتگو سے یہی محسوس ہوتا رہا ہے کہ وہ خدا کے وجود کے حوالے سے تشکیک کے مراحل سے گزر رہے ہیں اور یہ تشکیک کا رویّہ جب بہت زیادہ شدّت اختیار کرلیتا ہے تو وہ اپنے مخصوص ''چڑچڑے پن'' میں خدا کا انکار کر بیٹھتے ہیں۔

لیکن جب بات علمی پیرائے اور دلائل سے ہوتی تو وہ خدا کے وجود کے حوالے سے ایسے فلسفیانہ اور منطقی دلائل دیتے جو سننے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس تناظر میں یہاں حماد غزنوی کے ساتھ اُن کی ایک نجی گفتگو کا تذکرہ کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ حوالہ نمبر ۵ میں درج شعر کے بارے میں حمّاد غزنوی کا کہنا ہے کہ جب میں نے جونؔ ایلیا کو اس شعر کا حوالہ دیتے ہوئے اُن سے پوچھا کہ جونؔ بھائی کیا آپ خُدا کے منکر ہیں؟ جونؔ نے اس سوال کا جو جواب دیاوہ واضح طور پر خُدا کے حوالے سے اُن کی فکر کی وضاحت کرتا ہے:

''جونؔ بھائی نے مسکرا کر کہا 'بہ ہر حال اس شعر سے تم مجھے دہریہ
ثابت نہیں کرسکتے۔ کیونکہ خدا کے 'وجود' کا اقرار تو کفر ہے۔ کیونکہ

وجود کسی سمت یا طرف میں پایا جاتا ہے۔ جبکہ خدا تو ہر سمت میں
ہے۔یعنی سمتوں سے آزاد ہے۔ پھر انہوں نے قرآن کی یہ آیت
پڑھی وللهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ
وَجْهُ اللهِ(جس طرف بھی تم رُخ کروگے ،اسی طرف اللہ کا رخ
ہے)"(۷)

اس جواب سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جونؔ کی خُدا کے بارے میں ذہنی کیفیت کیا تھی۔اس جواب میں قابلِ غور بات اور اہلِ علم کے لیے ایک لطیف نکتہ یہ بھی ہے کہ جونؔ نے اپنے جواب میں جو دلیل دی ہے اُس دلیل کو ثبوت تک پہنچانے کے لیے انھوں نے حوالہ بھی قرآن سے دیا ہے۔اُس قرآن سے جو اس ذات کی کتاب ہے جس کے بارے میں جونؔ بہ ظاہر تشکیک میں مبتلا دکھائی دیتے ہیں۔جونؔ کا مطالعہ وسیع بھی تھا اور متنوّع بھی۔ تاریخ کے ساتھ ساتھ فلسفے پر بھی جونؔ کی گہری نظر تھی۔اس کے علاوہ منطق بھی اُن کے مطالعے کا میدان تھا۔یہی وجہ ہے کہ 'خدا' کے تصوّر کے حوالے سے اُن کی تشکیک کے ڈانڈے بھی اُن فلسفیانہ افکار سے ملتے ہیں جو اُن کے زیرِ مطالعہ رہے۔ انھوں نے مشرق و مغرب کے مشہور و معروف فلاسفہ کی کتابوں کا نہ صرف مطالعہ کیا تھا بلکہ ان کتابوں سے بہت کچھ اخذ بھی کیا تھا اور بہ قولِ ڈاکٹر
ظفر مرادآبادی پلوٹینس، کانٹ، ہیگل، ڈیوڈ ہیوم، گوئٹے، نطشے، دانتے، کارلمارکس، برگساں، ڈارون، لیمارک ،افلاطون، ارسطو، ہرقلیطس، دیمقراطیس اور امام غزالی وغیرہ کے افکار کے مطالعہ نے اُن کو تذبذب اور تشکیک میں مبتلا کر دیا تھا[۸]۔

ظفر مراد آبادی کے محوّلہ بالا بیان کی تصدیق خود جونؔ کے الفاظ سے بھی ہوتی ہے۔اپنے پہلے مجموعۂ کلام 'شاید' کے 'نیاز مندانہ' میں جونؔ نے اپنی زندگی کے حوالے سے کئی حقائق کا انکشاف کیا ہے۔ جہاں انہوں نے اپنے بچپن کے واقعات اور لڑکپن و جوانی کے حالات قلمبند کیے ہیں وہیں انہوں نے

اپنے فلسفیانہ خیالات اور فکری رجحانات کی وضاحت بھی کُھل کر کی ہے۔اور انھوں نے خود بھی اس بات کا اقرار کیاہے کہ فلسفے کے مطالعہ نے اُن کو تمام یقینیات سے محروم کر دیا[9]۔

لیکن اہلِ فکر و دانش اس بات کو بھی بہ خوبی سمجھتے ہیں کہ 'یقین' سے محروم ہونے والے کی اگلی منزل 'انکار' نہیں ہوتی بلکہ اس 'یقین' اور 'انکار' کے درمیان ایک پڑاؤ اور بھی ہے جسے تشکیک کہا جاتا ہے۔جوشؔ کی شاعری کا بہ غور مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت کُھل کر ہمارے سامنے آتی ہے کہ اُن کے وہ اشعار جن کی ظاہری صورت سے 'انکار' ظاہر ہوتا ہے اگر اُن اشعار کے باطن میں جھانکا جائے تو وہاں بھی آپ کو 'خدا' کے ساتھ ایک مخصوص دل لگی کی کیفیت ہی ملتی ہے۔ایسے اشعار میں اُن کی 'جھنجھلاہٹ' اس بات کی غمّاز ہے کہ وہ 'خدا' کا انکار اس لیے نہیں کر رہے کہ انہیں یقین ہے کہ خدا نہیں ہے بلکہ اپنی نفسیاتی کیفیات اور ارد گرد پھیلی ہوئی بے ثبات و بے ترتیب زندگی کا مشاہدہ کرنے کے بعد ردِّ عمل کے طور پر 'انکاری' لہجہ اپناتے ہیں۔یہاں سلیم احمد کے مضمون 'جوشؔ اور خدا' کا حوالہ دینا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔اس مضمون میں سلیم احمد نے واضح طور پر یہ موقّف اختیار کیاہے کہ اگرچہ عام زندگی میں جوشؔ ملیح آبادی علی الاعلان خدا کے وجود کا انکار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن اگر اُن کی شاعری کا مطالعہ کیا جائے تو صریح طور پر محسوس کیا جاسکتاہے کہ جوشؔ خدا کے حوالے سے انکار اور اقرار کی کیفیت سے گزر رہے ہیں[10]۔

مندرجہ بالا اقتباس نقل کرنے کا مقصد جوشؔ کی تشکیک یا کفر والحاد کی صورتِ احوال کو واضح کرنا نہیں بلکہ اس امر کی طرف اشارا کرنا ہے کہ بعض اوقات انسان بہ یک وقت کئی شخصیتوں یا تضادات کا مجموعہ بن کر سامنے آتا ہے۔اور یہ تو اکثر دیکھا گیاہے کہ ادب میں کسی انسان کے نظریات کچھ اور ہو سکتے ہیں اور عام زندگی میں کچھ اور۔اگر سلیم احمد کی رائے کا تجزیہ کیا جائے تو ایک دلچسپ صورتِ حال ہمارے سامنے آتی ہے۔ سلیم احمد کی رائے میں جوشؔ کو اس لیے ملحد نہیں کہا جاسکتا کہ اگرچہ عام زندگی میں تو وہ علی

الاعلان خُدا کے وجود کا انکار کرتے تھے لیکن جوشؔ کی شاعری میں ہمیں واضح طور پر وہ نشانیاں ملتی ہیں جن میں بہ قولِ سلیم احمد، وہ خُدا کے انکار اور اقرار کے مابین دست و گریباں نظر آتے ہیں۔ اور اسی تذبذب کی بنیاد پر سلیم احمد جوش کے حوالے سے یہ فیصلہ سُناتے ہیں کہ جوش کو خُدا کا انکاری یا ملحد نہیں کہا جاسکتا بلکہ انھیں زیادہ سے زیادہ تشکیک پر کاربند کہا جاسکتا ہے۔ اگر سلیم احمد کے اسی کُلیے کو جونؔ کی شخصیت اور اُن کی شاعری پر منطبق کیا جائے تو جوشؔ اور جونؔ کے موازنے میں ہمارے پاس ایک برعکس صورتِ حال آتی ہے اور وہ یوں کہ جونؔ عام زندگی میں اور نجّی محفلوں میں خُدا کی ذات کے حوالے سے اور اہلِ بیت کے حوالے سے زیادہ تر مثبت رویّہ ہی اختیار کرتے تھے جبکہ بعض اوقات خُدا کی ذات کے حوالے سے منفی رویّہ بھی اختیار کر لیتے تھے۔ جبکہ اُن کی شاعری میں بھی انکار اور اقرار کا ملا جُلا رجحان ملتا ہے۔ جبکہ بعض اشعار میں انھوں نے نہ صرف خُدا کے حوالے سے اثبات کا رویّہ اپنایا ہے بلکہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر اپنی اس یقین و گمان کی کیفیت سے خود بھی عاجز آچُکا ہے۔ اس لیے یہ کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض اشعار میں جونؔ کا 'نام نہاد' کفر و الحاد بھی دراصل ان کی تشکیک ہی ہے۔ خالد احمد انصاری کا شمار جونؔ کے اُن قریبی احباب میں ہوتا ہے جو تادمِ آخر جونؔ کے نہ صرف بہت قریب رہے بلکہ اُن کے ساتھ محبت اور خلوص کا تعلق بھی کئی احباب سے نسبتاً زیادہ ہی رہا۔ وہ جونؔ کی تشکیک کے اثبات اور الحاد کی نفی کے حوالے سے اپنا خیال یوں پیش کرتے ہیں:

> ''جون ایلیا کو ملحد، لا مذہب قرار دینا انہیں ایک محدود دائرے کی سوچ کا شخص قرار دینا ہے۔ وہ ایک بڑے کینوس پر سوچنے والا ذہن تھے۔ اُن سے میری جب بھی خدا، مذہب اور کائنات پر گفتگو ہوئی، انہیں بہت مختلف اور الحاد سے دور متشکک شخص پایا۔''(۱۱)

خالد احمد انصاری کی اس وضاحت کو ذہن میں رکھتے ہوئے جونؔ کی شاعری کا اگر اس پہلو سے مطالعہ کیا جائے تو ایک ملی جُلی کیفیت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اُن کے تمام مجموعوں میں ایسے اشعار بکھرے

پڑے ہیں جن سے ایک 'سپاٹ' اور واضح قسم کا 'انکاری' رویّہ سامنے آتا ہے جبکہ ایسے اشعار کی بھی بہتات ہے جو 'تشکیک' اور 'لا ادریت' کی کیفیت سے بھرپور ہیں۔ اگرچہ اس مقام پر پہنچ کر قطعیت سے کسی بات کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن ہم زیادہ سے زیادہ کسی شاعر کے کلام کو سامنے رکھ کر ہی کچھ طے کر سکتے ہیں ۔البتّہ اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ جونؔ کے ہاں 'تشکیک' یا 'لا ادریت' کا پہلو اتنا نمایاں ہے کہ اُن کے اشعار میں پائے جانے والے واضح 'انکار' کو ایک جائز تاویل دینے میں کوئی تامّل نہیں ہونا چاہیئے۔ڈاکٹر سلام سندیلوی نے ''اردو شاعری میں لاادریت'' میں اس نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

> '' ایک لاادری شاعر کی حیثیت سے کوئی شاعر جنت اور دوزخ پر یقین نہیں رکھتا ہے کیونکہ ماورا کی اشیاء غیر مرئی ہیں لیکن اس کا امکان ہے کہ وہ شاعر اسلامی عقائد کی روشنی میں ماورائی دنیا پر یقین رکھتا ہو۔ ایسی صورت میں وہ شاعر شاعرانہ حیثیت سے ماورائی دنیا کو مشکوک نظروں سے دیکھتا ہے مگر دراصل وہ اس دنیا کا قائل بھی ہو سکتا ہے۔''(۱۲)

ڈاکٹر سلام سندیلوی کی اس صراحت کے بعد جب ہم جونؔ کی ذاتی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں اور اس کے بعد اُن کی شاعری کی طرف جاتے ہیں تو اُن کی ذاتی زندگی اور شاعری میں ایک 'قدرِ مشترک' ہمیں واضح طور پر دکھائی دیتی ہے اور وہ یہ کہ اُن کے ہاں نجّی زندگی میں بھی اقرار اور انکار، نفی و اثبات، یقین و گمان کی کیفیت مسلسل جاری ہے اور اُن کی شاعری میں بھی ہمیں یہی رجحان کارفرما ملتا ہے۔ اور اُن کا یہی رجحان انھیں تشکیک کے زیادہ قریب کر دیتا ہے۔ یہاں جونؔ کے شعری مجموعے ''یعنی'' میں موجود ایک غزل اور اُس کے نتیجے میں راقم الحروف کی خالد احمد انصاری سے ہونے والی گفتگو کا ماحصل رقم کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ اُن کی کتاب ''یعنی'' میں درج مذکورہ غزل اس لیے بھی قابلِ ذکر ہے کہ یہ غزل اپنی ساخت کے اعتبار سے بھی روایت سے ہٹ کر ہے اور وہ کچھ یوں کہ اس غزل میں ایک ہی مصرع ''یہی

بابا الف کا ہے ارشاد" غزل کے تمام اشعار میں مصرعِ ثانی کی صورت میں دہرایا گیا ہے۔ طوالت سے دامن بچانے کے لیے ذیل میں اس غزل کے دو اشعار درج کیے جاتے ہیں:

آفرینش ہی فن کی ہے ایجاد
یہی بابا الف کا ہے ارشاد

جو ہے استاد وہ ہے بے استاد
یہی بابا الف کا ہے ارشاد(۱۳)

خالد احمد انصاری صاحب سے جب اس غزل کے حوالے سے گفتگو ہوئی تو انہوں نے کچھ یوں جواب دیا:

"میں نے جب جونؔ سے پہلے پہل یہ غزل سُنی تو اگرچہ مجھے اُن کی اُفتادِ طبع کا اندازہ تو تھا اور مجھے اُن کا جواب بھی معلوم تھا لیکن میں نے ویسے ہی کچھ کُریدنے کی نیت سے اُن سے استفسار کیا:

"جونؔ بھائی یہ جو آپ کی غزل ہے جس میں بار بار یہ مصرع آتا ہے" یہی بابا الف کا ہے ارشاد" تو یہ بابا الف کون ہے ؟۔جونؔ بھائی نے اپنے مخصوص انداز میں مسکراتے ہوئے کہا "جانی! ایک ہی تو ہے بابا الف، یعنی اللہ میاں۔"(۱۴)

یہ بھی ایک لطیف سانکتہ ہے کے جونؔ کی تمام غزلیہ تخلیقات میں یہ ایک ہی غزل ایسی ہے جو روایت سے ہٹ کر ہے اور اس غزل میں وہ بار بار" بابا الف "کا ذکر کرتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جونؔ تشکیک کے رستے پر کھڑے ہو کر بھی بچپن کا سبق نہیں بھولے جب بچوں کو اردو قاعدہ پڑھاتے ہوئے سکھایا جاتا تھا کہ "الف سے اللہ ہوتا ہے"۔ اُن کے اشعار میں ایسے اشعار بھی پائے جاتے ہیں جن میں وہ اس بات کا افسوس کرتے نظر آتے ہیں کہ وہ یقین سے بچھڑ کر گمان کے حصار میں قید ہو چکے ہیں۔

جونؔ کی تشکیک کی یہ کیفیت اُن کے ساتھ تادمِ آخر رہی۔ وہ یقین اور گماں کے درمیان اسی گو مگو کی حالت میں رہے۔ تاہم یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلّم ہے کہ جونؔ یقین کی کیفیت کو ایک نعمت سمجھتے تھے۔ اور تشکیک کی حالت اُن کے لیے کسی کرب اور اندوہ سے کم نہ تھی:

عمریں گزر گئی تھیں ہم کو یقیں سے بچھڑے
اور لمحہ اک گماں کا صدیوں میں بے اماں تھا(۱۵)

میں کیوں بھلا قضا وقدر سے بُرا بنوں
ہے جو بھی انتظام خُدایا درست ہے(۱۶)

جُدا سمجھ نہ خُدا کو جہانِ فطرت سے
خُدا ہے خود اسی فطرت کی ایک خود رائی(۱۷)

کھونے کا تھا ایک کھیل جس میں
اکثر تو خُدا کو پا سکے ہم(۱۸)

بوُد تو اک تکان ہے ،سو خُدا
کیا تری بھی تکان میں گزری(۱۹)

کیا یقیں اور کیا گماں چُپ رہ
شام کا وقت ہے میاں چُپ رہ(۲۰)

مجھ کو خواہش ہی ڈھونڈنے کی نہ تھی
مجھ میں کھویا رہا خُدا میرا(۲۱)

ہم کو ہر گز خُدا نہیں منظور
یعنی ہم بے طرح خُدا کے ہیں(۲۲)
ایک پہنائے عبث ہے جسے عالم کہیئے
ہو کوئی اس کا خُدا ہم تو دعا کرتے ہیں(۲۳)

ہم کو صنم نے خوار کیا
ورنہ خُدا ہی اچھا تھا(۲۴)

میں تو خُدا کے ساتھ ہوں تم کس کے ساتھ ہو؟
ہر لمحہ "لا" کے ساتھ ہوں، تم کس کے ساتھ
ہو؟(۲۵)

واعظ و زاہد و فقیہہ، تم کو بتائے بھی تو کون
وہ بھی عجیب شخص تھا، جس نے ہمیں خُدا دیا(۲۶)

جو کہیں بھی نہ ہو، کبھی بھی نہ ہو
آپ اُس کو خُدا سمجھ لیجیے(۲۷)

خُدایا ترے حسنِ تقویم میں ہم
تضادِ وجود وعدم دیکھتے ہیں(۲۸)

شہرِ یقیں میں اب کوئی دم خم نہیں رہا
دشتِ گماں کے خاک بس خیریت سے ہیں(۲۹)

کہنے کو حق نگر ہیں حقیقت ہے آرزو
سچ پوچھیۓ اگر تو خُدا چاہیۓ ہمیں(۳۰)

مندرجہ بالا اشعار کا تجزیہ کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جونؔ کے ہاں تشکیک کا رویّہ ملا جلا رجحان لیے ہوئے۔ وہ خدا کو مخاطب کرتے ہوئے اُس کا ''انکار'' کرنا چاہتے ہیں۔ تشکیک کے حوالے سے اُن کے ہاں طنز کا رویّہ بھی یک رُخا نہیں۔ کہیں وہ یقین اور گمان کی اس ملی جلی کیفیت کی بدولت اپنے آپ پر طنز کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور کہیں اہلِ یقین کو طنز کا نشانہ بناتے ہیں۔ اُن کی غزلوں اور نظموں کے کے تجزیے سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ تشکیک کے رویّے کے باوجود وہ یقین کو ایک اہم دولت گردانتے ہیں اور یقین کی دولت سے محروم ہونے کو وہ بسا اوقات ایک اذیّت ناک اور پُر آشوب کیفیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات اُن کے لہجے میں ایک مخصوص قسم کا انتقامی رویّہ اور جھنجھلاہٹ کا عنصر نمایاں طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔

حواشی

۱۔ حقانی القاسمی، ’ادب کولاژ‘، دہلی: عرشیہ پبلیکیشنز، ۲۰۱۴ء، ص:۲۸

۲۔ڈاکٹر وحید اختر، ’فلسفہ اور ادبی تنقید‘، لکھنؤ: نصرت پبلشرز، ۱۹۷۶ء ص:۱۸۶۔۱۸۷

۳۔ سلیم احمد، ’جوشؔ اور خدا‘، مشمولہ: ’مضامینِ سلیم احمد (مرتب: جمال پانی پتی)‘ کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۰۹ء، ص:۴۸۷۔۴۸۸

۴۔ راقم الحروف کا خالد انصاری سے انٹرویو، تاریخ:۲۰ اکتوبر ۲۰۲۱ء

۵۔ جونؔ ایلیا، ’شاید‘، لاہور: الحمد پبلیکیشنز، ۲۰۱۵ء بارِ ہشتم، ص:۱۲۴

۶۔ خالد سہیل، ڈاکٹر، ’یکسانی سے اکتاہٹ ہونے لگتی ہے‘ مشمولہ: ’میں یا میں‘، مؤلف: خالد احمد انصاری، لاہور: الحمد پبلیکیشنز، ۲۰۲۰، ص:۲۴۷

۷۔ حماد غزنوی، ’جونؔ بھائی‘ مشمولہ: ’میں یا میں‘، مؤلف: خالد احمد انصاری، لاہور: الحمد پبلیکیشنز، ۲۰۲۰، ص:۱۹۲

۸۔ ڈاکٹر ظفر مراد آبادی، ’ادبی شخصیات‘، دہلی: ڈاکٹر ظفر مراد آبادی، ۲۰۰۷، ص:۱۷

۹۔ جونؔ ایلیا، ’شاید‘، لاہور: الحمد پبلیکیشنز، ۲۰۱۵ء بارِ ہشتم، ص:۳۰۔۳۱

۱۰۔ سلیم احمد، ’جوشؔ اور خدا‘، مشمولہ: ’مضامینِ سلیم احمد (مرتب: جمال پانی پتی)‘ کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۰۹ء، ص:۴۸۸

۱۱۔ خالد احمد انصاری، ’زندگی داؤ چل گئی ہو گی‘ مشمولہ: ’میں یا میں‘، مؤلف: خالد احمد انصاری، لاہور: الحمد پبلیکیشنز، ۲۰۲۰، ص:۲۲۴

۱۲۔ ڈاکٹر سلام سندیلوی، ’اردو شاعری میں لاادریت‘، گورکھپور: ڈاکٹر سلام سندیلوی، ۱۹۸۸ء، ص:۱۴

۱۳۔ جونؔ ایلیا، ’یعنی‘، لاہور: الحمد پبلیکیشنز، ۲۰۰۳ء، ص:۹۷۔۹۸

۱۴۔ راقم الحروف کا خالد احمد انصاری سے انٹرویو، تاریخ:۲۱ اکتوبر ۲۰۲۱ء

۱۵۔ جونؔ ایلیا، ’شاید‘، لاہور: الحمد پبلیکیشنز، ۲۰۱۵ء بارِ ہشتم، ص:۱۳۵

۱۶۔ ایضاً، ص:۲۲۱

۱۷۔ ایضاً، ص:۲۸۱

۱۸۔ جونؔ ایلیا، 'گویا'، لاہور: الحمد پبلیکیشنز،۲۰۰۸ء، ص: ۱۶۴

۱۹۔ ایضاً، ص: ۲۱۲

۲۰۔ جونؔ ایلیا، 'گمان'، لاہور: الحمد پبلیکیشنز، ۲۰۰۴ء، ص: ۱۹

۲۱۔ ایضاً، ص: ۵۳

۲۲۔ ایضاً، ص: ۱۱۷

۲۳۔ ایضاً، ص: ۱۵۷

۲۴۔ جونؔ ایلیا، 'گمان'، لاہور: الحمد پبلیکیشنز، ۲۰۰۴ء، ص: ۲۰۸

۲۵۔ جونؔ ایلیا، 'لیکن'، لاہور: الحمد پبلیکیشنز،۲۰۰۶ء، ص: ۵۹

۲۶۔ ایضاً، ص: ۸۹

۲۷۔ ایضاً، ص: ۲۱۴

۲۸۔ ایضاً، ص: ۲۳۶

۲۹۔ جونؔ ایلیا، 'یعنی'، لاہور: الحمد پبلیکیشنز، ۲۰۰۳ء،، ص: ۶۷

۳۰۔ ایضاً، ص: ۸۰

کتابیات

بنیادی ماخذ

جون ایلیا، 'شاید'، لاہور: الحمد پبلیکیشنز، ۲۰۱۵ء (اشاعت ہشتم)

ایضاً، 'یعنی'، لاہور: الحمد پبلیکیشنز، ۲۰۰۳ء

ایضاً، 'گمان'، لاہور: الحمد پبلیکیشنز، ۲۰۰۴ء

ایضاً، 'لیکن'، لاہور: الحمد پبلیکیشنز، ۲۰۰۶ء

ایضاً، 'گویا'، لاہور: الحمد پبلیکیشنز، ۲۰۰۸ء

ثانوی ماخذ

جمال پانی پتی (مرتب)، 'مضامینِ سلیم احمد' کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۰۹ء

حقانی القاسمی، 'ادب کولاژ'، دہلی: عرشیہ پبلیکیشنز، ۲۰۱۴ء

خالد احمد انصاری (مرتّب)، 'میں یا میں'، لاہور: الحمد پبلیکیشنز، ۲۰۲۰ء

سلام سندیلوی، ڈاکٹر، 'اردو شاعری میں لاادریت'، گورکھپور: ڈاکٹر سلام سندیلوی، ۱۹۸۸ء

ظفر مراد آبادی، ڈاکٹر، 'ادبی شخصیات'، دہلی: ڈاکٹر ظفر مراد آبادی، ۲۰۰۷ء

وحید اختر، ڈاکٹر، 'فلسفہ اور ادبی تنقید'، لکھنؤ: نصرت پبلشرز، ۱۹۷۶ء